# اسلامی تحریک کا طریقِ کار

ڈاکٹر محمد رفعت اشارات

مارچ ۲۰۱۴ء، ربیع الثانی / جمادی الاول ۱۴۳۵ھ جلد: ۴۰ شمارہ: ۳

دنیا کے ہر گوشے میں ایسی تنظیمیں موجود ہیں جو اسلامی خطوط پر معاشرے کی تعمیرِ نو اور اسلامی ریاست کے قیام کے لیے کوشش کر رہی ہیں۔ ایسی کوششوں کو ''تحریکِ اسلامی'' کہا جاتا ہے۔ مسلمان دنیا، تحریکِ اسلامی سے بڑی حد تک واقف ہے اور اب غیر مسلم دنیا اور عالمی ذرائعِ ابلاغ بھی اس تحریک سے واقف ہو رہے ہیں گرچہ وہ اس کے بارے میں متعدد غلط فہمیوں کا شکار ہیں۔ تحریکِ اسلامی کے بارے میں متعدد سوالات مختلف حلقوں کی جانب سے اٹھائے جاتے ہیں جن کا تعلق تحریک کے مقصد اور طریقِ کار سے ہے۔ چند سوالات کا جائزہ پیشِ نظر ہے۔

## حاکمیتِ الٰہ کا تصور

تحریکِ اسلامی کے بارے میں ایک سوال یہ ہے کہ اس نے اپنے اساسی پیغام میں حاکمیتِ الٰہ کو نمایاں اور مرکزی مقام کیوں دیا ہے؟ اس سوال کا جواب دینے سے قبل مناسب ہوگا کہ ''حاکمیتِ الٰہ'' کی اصطلاح کا مفہوم سمجھ لیا جائے۔ اس اصطلاح کا مفہوم دستورِ جماعت اسلامی ہند میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

''بنیادی عقیدہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ یعنی الٰہ صرف اللہ ہی ہے۔ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اس عقیدے کے پہلے جز یعنی اللہ تعالیٰ کے واحد الٰہ ہونے اور کسی دوسرے کے الٰہ نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہی اللہ ہم سب انسانوں کا معبود برحق اور حاکمِ تشریعی ہے، جو ہمارا اور اس پوری کائنات کا خالق، پروردگار، مدبر، مالک اور حاکمِ تکوینی ہے۔ پرستش کا مستحق اور حقیقی مطاع صرف وہی ہے اور ان میں سے کسی حیثیت میں بھی کوئی اس کا شریک نہیں۔ ...

... اس حقیقت کو جاننے اور تسلیم کرنے سے لازم آتا ہے کہ انسان

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو مالک الملک اور مقتدرِ اعلیٰ نہ سمجھے، کسی کو بہ اختیار خود حکم دینے اور منع کرنے کا مجاز تسلیم نہ کرے، کسی کو مستقل بالذات شارع اور قانون ساز نہ مانے اور ان تمام اطاعتوں کو صحیح تسلیم کرنے سے انکار کر دے جو ایک اللہ کی

اطاعت اور اس کے قانون کے تحت نہ ہوں۔ کیوں کہ اپنے ملک کا ایک ہی جائز مالک اور اپنی خلق کا ایک ہی جائز حاکم اللہ ہے۔ اس کے سوا کسی کو فی الواقع مالکیت اور حاکمیت کا حق ہی نہیں پہنچتا۔

... نیز اس عقیدے کو قبول کرنے سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ انسان

اپنے لیے اخلاق میں، برتاؤ میں، معاشرت اور تمدن میں، معیشت اور سیاست میں، غرض زندگی کے ہر معاملے میں صرف اللہ کی ہدایت کو ہدایت مانے اور صرف اسی ضابطے کو ضابطہ تسلیم کرے، جو اللہ کا مقرر کردہ ہو، یا اس کے احکام وہدایات کے تحت ہو، اور جو اس کے خلاف ہو، اسے رَد کردے۔

اپنی زندگی کے ہر معاملے میں خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت ہی کو اصل حجت، سند اور مرجع قرار دے۔ ......
جو خیال یا عقیدہ یا طریقہ کتاب وسنت کے مطابق ہو، اسے اختیار کرے اور جو اُن کے خلاف ہو اسے ترک کردے۔'' (دستورِ جماعت اسلامی ہند، دفعہ ۳)

مندرجہ بالا تصور حاکمیتِ الٰہ، قرآن مجید سے اخذ کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر ذیل کی آیات پر غور کیا جاسکتا ہے:

۱- ''کیا تم نہیں جانتے کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی، اللہ ہی کے لیے ہے۔'' (البقرۃ: ۱۰۷)

۲- ''فیصلے کا اختیار کسی کو نہیں ہے سوائے اللہ کے۔'' (الانعام: ۵۷)

۳- ''تمہارے درمیان جو اختلاف بھی ہو، اس کا فیصلہ کرنا اللہ کا کام ہے۔'' (شوریٰ: ۱۰)

۴- ''حکم اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں ہے، اس کا فرمان ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو، یہی صحیح دین ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔'' (یوسف: ۴۰)

پیروی کرو اس ہدایت کی جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے، تمہارے رب کی طرف سے۔ اور اسے چھوڑ کر" -۵
(۳ : دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو۔" (الاعراف

قرآن مجید کی ان صریح تعلیمات کی روشنی میں معقول موقف وہی ہے جو تحریکِ اسلامی نے اختیار کیا ہے۔ یعنی یہ کہ حاکمیتِ الٰہ کو دینی نظامِ تصورات میں مرکزی اور نمایاں مقام حاصل ہونا چاہئے۔

## اسلامی حکومت

اسلامی تحریک کے سلسلے میں بعض افراد کا تردّد یہ ہے کہ وہ اسلامی حکومت کا قیام چاہتی ہے۔ سوال پیش کیا جاتا ہے کہ
:اسلامی حکومت کے قیام کو مقصود اور ضروری قرار دینے کی کیا دلیل ہے؟ اس سلسلے میں ذیل کی آیات پر غور کرنا چاہیے

ہم نے یہ کتاب تمہاری طرف حق کے ساتھ نازل کی ہے جو تصدیق کرتی ہے پہلی آئی ہوئی کتابوں کی اور نگہبان" -۱
ہے اُن پر۔ پس جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے تم اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلے کرو اور ان کی خواہشات کی پیروی میں اس حق
(۴۸ : سے منہ نہ موڑو جو تمہارے پاس آیا ہے۔" (المائدۃ

ظاہر ہے کہ کتابِ الٰہی کے مطابق فیصلے کرنے کے لیے اقتدار درکار ہے۔

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اُن لوگوں کی جو تم میں سے اولی الامر" -۲
(۵۹ : ہوں۔" (النساء

یہ آیت بتاتی ہے کہ مسلمانوں کے کچھ اولی الامر ہونے چاہئیں اور مسلمانوں کو ان کی اطاعت کرنی چاہیے۔ بالفاظِ دیگر، مسلمانوں کو اجتماعی نظم کے تحت زندگی گزارنی چاہیے۔ یہی نظامِ سمع و طاعت اپنی وسیع شکل میں اسلامی حکومت کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے۔

ہم نے اپنے رسولوں کو واضح ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی، تاکہ لوگ انصاف ” -۳
پر قائم ہوں، اور لوہا اتارا جس میں بڑا زور ہے اور لوگوں کے لیے منافع ہیں۔ یہ اس لیے کیا گیا ہے کہ اللہ دیکھے کہ کون اس کو دیکھے بغیر،
(۲۵ :اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔ یقیناً اللہ بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔“ (حدید

:سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں

یہاں لوہے سے مراد، سیاسی اور جنگی طاقت ہے اور کلام کا مدعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو قیامِ عدل کی ”
محض ایک اسکیم پیش کر دینے کے لیے مبعوث نہیں فرمایا تھا، بلکہ یہ بات بھی ان کے مشن میں شامل تھی کہ اس (قیامِ عدل کی اسکیم)
کو عملاً نافذ کرنے کی کوشش کی جائے اور وہ قوت فراہم کی جائے جس سے فی الواقع عدل قائم ہو سکے، اسے درہم برہم کرنے والوں کو
(سزا دی جاسکے اور اس کی مزاحمت کرنے والوں کا زور توڑا جاسکے۔“ (ترجمہ قرآن مجید مع مختصر حواشی

:جناب شبیر احمد عثمانی اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں

جو آسمانی کتاب سے راہِ راست پر نہ آئیں اور انصاف کی ترازو کو دنیا میں سیدھا نہ رکھیں، ضرورت پڑے گی کہ ان کی ”
“گوشمالی کی جائے اور ظالم و کج رو معاندین پر اللہ و رسول کے احکام کا وقار و اقتدار قائم رکھا جائے۔

علانیہ جدوجہد

بعض لوگوں کو یہ اعتراض ہے کہ تحریکِ اسلامی علانیہ جدوجہد کیوں کرتی ہے اور خفیہ طریقے استعمال کر کے، سرعت
:کے ساتھ انقلاب کیوں نہیں لے آتی؟ اس سوال کا مدلل جواب سید مودودیؒ نے دیا ہے

”خفیہ تنظیموں میں چندافراد مختارِ کل بن جاتے ہیں اور پھر ساری تنظیم یا تحریک اُن ہی کی مرضی پر چلتی ہے۔اُن سے اختلاف کرنے والوں کو فوراً ختم کر دیا جاتا ہے۔ان کی پالیسی سے اظہارِ بے اطمینانی، سخت ناگوار اور ناپسندیدہ قرار دی جاتی ہے۔اَب آپ خود سوچیں کہ یہی چندافراد جب برسرِ اقتدار آئیں گے تو کس قدر بدترین ڈکٹیٹر ثابت ہوں گے...

میرا مشورہ یہی ہے کہ خواہ آپ کو بھوکا رہنا پڑے، گولیاں کھانی پڑیں، مگر صبر کے ساتھ، تحمل کے ساتھ، کھلم کھلا علانیہ طور پر اپنی اصلاحی تحریک کو قانون، ضابطے اور اخلاقی حدود کے اندر چلاتے رہیے۔خود حضورﷺ کا طریق کار بھی علانیہ اور کھلم کھلا تبلیغ کا طریقہ تھا۔“ (تصریحات)

سید مودودیؒ اس ضمن میں مزید کہتے ہیں:

”جب تک ہمت اور جرأت اور عزم واستقلال کے ساتھ برسرزمین (Openly) کام نہیں کیا جائے گا،اسلامی ریاست قائم نہیں ہوسکتی۔زیرِزمین (Under Ground) کام کے نتیجے میں اسلامی ریاست نہیں بن سکتی...

درحقیقت جب تک برسرِزمین کام کر کے عام لوگوں کے خیالات کو تبدیل نہیں کیا جائے گا،اُن کو پوری طرح ہم خیال نہیں بنایا جائے گا اور معاشرے کو اسلامی نظام کے لیے تیار نہیں کیا جائے گا اس وقت تک اسلامی ریاست کے قیام کا کوئی امکان نہیں ہے۔“ (ایضاً)

لاقانونیت سے اجتناب

سطورِ بالا میں عرض کیا گیا تھا کہ بعض دوستوں کو علانیہ جدوجہد پر اعتراض ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ کوئی تیز رفتار خفیہ طریقہ اختیار کر کے جلد انقلاب لے آیا جائے اور علانیہ طریقوں پر اصرار نہ کیا جائے۔ اس کے بالکل بر عکس بعض حلقوں کو یہ بد گمانی ہے کہ اسلامی تحریک تخریبی طریقے اختیار کرتی ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ بد گمانی بالکل بے بنیاد ہے۔ اسلامی تحریک کا اصولی موقف یہ ہے کہ فساد فی الارض سے بچا جائے۔ طریقِ کار کے ذیل میں جماعت اسلامی ہند کے دستور میں کہا گیا ہے :

"جماعت اپنے تمام کاموں میں اخلاقی حدود کی پابند ہو گی اور کبھی ایسے ذرائع یا طریقے استعمال نہ کرے گی، جو صداقت و دیانت کے خلاف ہوں یا جن سے فرقہ وارانہ منافرت، طبقاتی کشمکش اور فساد فی الارض رونما ہو...

وہ تبلیغ و تلقین اور اشاعتِ افکار کے ذریعے ذہنوں اور سیرتوں کی اصلاح کرے گی اور اس طرح ملک کی اجتماعی زندگی میں مطلوبہ صالح انقلاب لانے کے لیے رائے عامہ کی تربیت کرے گی۔" (دستورِ جماعت اسلامی ہند، دفعہ ۵)

لا قانونیت سے اجتناب کے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے جناب صدرالدین اصلاحی لکھتے ہیں :

"موجودہ نظامِ (باطل) کو اصولی اور اعتقادی طور پر غلط، فاسد اور قابلِ رد قرار دینے کے باوجود، جہاں تک ... عام قوانینِ ملکی کا تعلق ہے، تحریکِ اسلامی اس بات کو صحیح نہیں سمجھتی کہ عملاً بھی اُن کو رد کر دیا جائے۔ چنانچہ اس بارے میں اُس کی ہدایت یہ ہے کہ ان قوانین کو اصلاً غلط اور باطل سمجھنے کے باوجود، عملی پابندی ان کی ضرور کی جائے۔ الاّ یہ کہ بالفرض کوئی قانون ہی ایسا ہو جس کی پیروی سے شریعت کی کھلی ہوئی خلاف ورزی، اور اللہ و رسول کی راست نافرمانی لازم آتی ہو۔ عام ملکی قوانین کی عملی پابندی کا یہ مسلک، اُس نے کسی مصلحت یا سیاسی ضرورت کی بنا پر اختیار نہیں کیا ہے، بلکہ خود اسوہ انبیاء ہی کی روشنی میں اختیار کیا ہے۔

اس اسوے سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی غلط نظام بھی جب تک قائم اور نافذ ہو، اس وقت تک اس کے عام قوانین کی عملی پابندی سے انکار نہیں کرنا چاہیے۔ یہ اصول اس واقعیت پسندی پر مبنی ہے کہ انسان کی اجتماعی زندگی بہر حال کوئی نہ کوئی ضابطہ اور

قانون چاہتی ہے۔اس کے بغیر وہ قائم ہی نہیں رہ سکتی۔اب اگر وقت کے کارفرما قوانین کی پابندی ترک کر دی جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ زندگی یا تو جامد ہو کر رہ جائے گی یا پھر اس میں نظم وضبط باقی نہ رہ جائے گا۔

اور فتنہ وفساد کے ہم معنی ہے،اس لیے (Anarchy) پہلی صورت عملًا ناممکن ہے اور دوسری سرتاسر انتشار،انار کی وہ بھی قابل قبول نہیں ہو سکتی... غلط سے غلط اور بد سے بد تر قوانین وضوابط کی حکمرانی بھی انسانی زندگی کے عمومی مصالح کے لیے انار کی اور لاقانونیت سے بہر حال کم تر درجے کی مصیبت ہے۔اس لیے شریعتِ اسلامی کا نقطۂ نظر،اس باب میں بجا طور پر یہ ہے کہ ایک زیادہ سخت اور تباہ کن مصیبت سے بچنے کے لیے کسی باطل، نظامِ غالب کے قوانین کی پابندی کی نسبتاً چھوٹی مصیبت کو لازماً گوارا (۸ کیا جائے۔'' (تحریکِ اسلامی ہند، باب

اس اقتباس سے واضح ہے کہ لاقانونیت سے اجتناب،اسلامی تحریک کا ایک لازمی وصف ہے۔اس بنا پر تخریبی طریقے اختیار کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

## قیامِ خلافت

بعض دوستوں کا اعتراض یہ ہے کہ تحریکِ اسلامی نے ''اسلامی حکومت'' کے قیام کو اپنی منزل کے طور پر پیش کیا ہے : جبکہ اسے ''احیائے خلافت'' کو اپنا مقصود قرار دینا چاہیے تھا۔اس اعتراض کے سلسلے میں تین حقیقتیں پیش نظر رہنی چاہئیں

الف) پہلی حقیقت یہ ہے کہ اصولی طور پر اقامتِ دین کا کام کسی جغرافیائی خطے میں محدود نہیں ہے۔اقامتِ دین کی ) اصطلاح میں لفظ دین کا مفہوم دستور جماعت اسلامی ہند میں اس طرح بیان کیا گیا ہے :

"لفظ دین سے مراد وہ دینِ حق ہے، جسے اللہ رب العالمین، اپنے تمام انبیاء کے ذریعے مختلف زمانوں اور ملکوں میں بھیجتا رہا ہے اور جسے آخری اور مکمل صورت میں تمام انسانوں کی ہدایت کے لیے اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کے ذریعے نازل فرمایا اور جو اب دنیا میں ایک ہی مستند، محفوظ اور عند اللہ مقبول دین ہے اور جس کا نام "اسلام" ہے۔" (دستورِ جماعت اسلامی ہند، دفعہ ۴)

اس تشریح سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دین عالم گیر ہے، چنانچہ اس کے قیام کا فریضہ بھی تمام دنیا کے مسلمانوں پر عائد ہوتا ہے۔ البتہ دنیا اس وقت مختلف حکومتوں کے زیرِ انتظام علاقوں میں تقسیم ہے، اس لیے ان مختلف علاقوں کے مسلمانوں کے لیے فی الحال یہ ممکن نہیں ہے کہ کارِ اقامتِ دین کے لیے وہ ایک مشترک تنظیمی ہیئت بنا سکیں۔ لا محالہ اس صورت حال میں یہ ضروری ہوگا کہ ہر ملک میں، وہاں کے حالات کے پیشِ نظر، مناسب تنظیمی ہیئت، اقامتِ دین کے مقصد کے لیے بنائی جائے۔ اس سے دین یا کارِ اقامتِ دین کی عالم گیری کی نفی نہیں ہوتی۔

ب) دوسری حقیقت جو پیشِ نظر رہنی چاہیے یہ ہے کہ اقامتِ دین کا مثالی نمونہ، خلافت راشدہ کا نمونہ ہے۔ چنانچہ (Ideal) اقامتِ دین کی عملی سرگرمیوں کے کسی ایک خطے یا ملک میں محدود ہونے کے باوجود، اس مثالی نمونے کو ہمیشہ نگاہوں کے سامنے رکھا جائے گا۔ دستورِ جماعت اسلامی ہند میں کہا گیا ہے:

"اس دین کی اقامت کا مثالی اور بہترین عملی نمونہ وہ ہے جسے حضرت محمد ﷺ اور حضرات خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے قائم فرمایا۔" (ایضاً)

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں:

"خلافتِ راشدہ کا دور... ایک روشنی کا مینار تھا، جس کی طرف بعد کے ادوار میں فقہاء و محدثین اور عام دیندار مسلمان ہمیشہ دیکھتے رہے اور اسی کو اسلام کے مذہبی، سیاسی، اخلاقی اور اجتماعی نظام کے معاملے میں معیار سمجھتے رہے۔" (خلافت و ملوکیت)

ج) تیسری حقیقت جو سامنے رہنی چاہیے، یہ ہے کہ کسی ایک ملک میں اسلامی حکومت کا قیام،ایک مرحلہ ہے جو عالمی )
خلافت کے احیاء کی جانب سفر کے دوران پیش آئے گا۔ چنانچہ کسی ملک میں اسلامی حکومت کے قیام کو آخری منزل سمجھنا درست نہ ہو گا۔ ملکی سطح کی اسلامی حکومتوں کے قیام کے بعد وہ مرحلہ آئے گا جہاں عالمی خلافت کا انعقاد ممکن ہو سکے گا۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی
:لکھتے ہیں

اسلامی ریاست )ایک ایسی ریاست ہے جو رنگ، نسل، زبان یا جغرافیہ کی عصبیتوں کے بجائے صرف اصول کی بنیاد پر )''
قائم ہوتی ہے۔ زمین کے ہر گوشے میں نسلِ انسانی کے جو افراد بھی چاہیں، ان اصولوں کو قبول کر سکتے ہیں اور کسی امتیاز و تعصب کے بغیر، بالکل مساوی حقوق کے ساتھ اس نظام میں شامل ہو سکتے ہیں۔ دنیا میں جہاں بھی ان اصولوں پر کوئی حکومت قائم ہو گی وہ لازماً اسلامی حکومت ہی ہو گی خواہ وہ افریقہ میں ہو یا امریکہ میں، یوروپ میں ہو یا ایشیا میں اور اس کے چلانے والے خواہ گورے ہوں یا کالے یا زرد۔ اس نوعیت کی خالص اصولی ریاست کے لیے ایک عالمی ریاست بن جانے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ اگر زمین کے مختلف حصوں میں بہت سی ریاستیں بھی اس نوعیت کی ہوں، تو وہ سب کی سب یکساں اسلامی ریاستیں ہوں گی، کسی قوم پرستانہ کشمکش کے بجائے، ان کے درمیان پورا پورا برادرانہ تعاون ممکن ہو گا اور کسی وقت بھی وہ متفق ہو کر اپنا ایک عالم گیر وفاق قائم کر سکیں
(گی۔''   (ایضاً

## فوجی انقلاب

بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ مسلمان ممالک میں تحریک اسلامی کو ملکی فوج کی مدد سے اسلامی انقلاب برپا کرنا چاہیے۔
لیکن ان احباب کی یہ تجویز قلتِ فکر پر مبنی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ فوج یا اس کے بعض عناصر کے ذریعے جو انقلاب لایا جائے گا وہ دیرپا ثابت نہ ہو گا۔ دوسری حقیقت جو پیشِ نظر رہنی چاہیے یہ ہے کہ ملک کے سیاسی عمل میں فوج کا سرگرم رول خود ایک منفی مظہر ہے،
: جس نے مسلم ممالک میں پورے نظامِ حکومت کو کمزوری اور انتشار میں مبتلا کر دیا ہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں

"مسلمان ملکوں کے لیے ان کی فوجیں ایک مصیبت بن چکی ہیں۔ان کا کام باہر کے دشمنوں سے لڑنا اور ملک کی حفاظت کرنا نہیں رہا، بلکہ اب اُن کا کام یہ ہے کہ اپنے ہی ملک کو فتح کریں اور جو ہتھیار اُن کی قوموں نے اُن کو مدافعت کے لیے دیے تھے انہی سے کام لے کر وہ اپنی قوموں کو اپنا غلام بنالیں۔اب مسلمان ملکوں کی قسمتوں کے فیصلے ،انتخابات یا پارلیمنٹوں میں نہیں بلکہ فوجی بیرکوں میں ہورہے ہیں۔"(تفہیمات، حصہ سوم)

مندرجہ بالا صورتِ واقعہ کے پیشِ نظر، مسلمان ممالک کے باشعور و مخلص عناصر کی کوشش یہ ہونی چاہیے کہ فوج کے رول کو دوبارہ اس کے اصل کارِ منصبی تک (جو ملک کا دفاع ہے) محدود کردیا جائے اور فوج، ملک کے سیاسی نظام کو چلانے کی یا اس میں مداخلت کی کوشش نہ کرے۔اس معقول رویے کے بجائے اگر یہ کوشش کی جائے گی کہ فوج کی مدد سے کوئی مصنوعی انقلاب برپا کردیا جائے تو ایسی کوشش ناعاقبت اندیشانہ ثابت ہوگی اور پورے سیاسی ڈھانچے کے اندر خلل وانتشار کا باعث بنے گی۔ پھر اس ذریعے سے اگر بظاہر انقلاب آ بھی گیا تو وہ مستحکم نہ ہوگا اور ہر وقت یہ خطرہ لاحق رہے گا کہ کوئی جوابی فوجی انقلاب اس کا خاتمہ کردے۔اسلامی تحریک کو ایسے مخدوش طریقِ کار سے اجتناب کرنا چاہیے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کہتے ہیں:

"اسلامی تحریک کے کارکنوں کو میری نصیحت یہ ہے کہ انھیں خفیہ تحریکیں چلانے اور اسلحہ کے ذریعے سے انقلاب برپا کرنے کی کوشش نہ کرنی چاہیے۔ یہ بھی دراصل بے صبری اور جلد بازی ہی کی ایک صورت ہے۔ایک صحیح انقلاب ہمیشہ عوامی تحریک ہی کے ذریعے سے برپا ہوتا ہے۔ کھلے بندوں عام دعوت پھیلایئے۔ بڑے پیمانے پر اذہان اور افکار کی اصلاح کیجیے۔لوگوں کے خیالات بدلیے۔اخلاق سے دلوں کو مسخر کیجیے اور اس کوشش میں جو خطرات اور مصائب بھی پیش آئیں اُن کا مردانہ وار مقابلہ کیجیے۔ اس طرح بتدریج جو انقلاب برپا ہوگا وہ ایسا پائیدار اور مستحکم ہوگا، جسے مخالف طاقتوں کے ہوائی طوفان محو نہ کرسکیں گے۔ جلد بازی سے کام لے کر مصنوعی طریقوں سے اگر کوئی انقلاب رونما بھی ہوجائے تو جس راستے سے وہ آئے گا،اُسی راستے سے وہ مٹایا بھی جاسکے گا۔" (ایضاً)

اسلامی تحریک کے لیے ضروری ہے کہ امور و معاملات کے ہر پہلو پر نگاہ رکھے، شر سے بچتے ہوئے خیر کے حصول کی کوشش کرے، بصیرت سے کام لے کر پیش قدمی کے راستے نکالے جو اسلام کے مزاج سے ہم آہنگ ہوں اور شریعتِ الٰہی کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کو کبھی گوارا نہ کرے۔

## جمہوریت

بعض احباب نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اسلامی تحریک نے جمہوریت کی تائید شروع کر دی ہے جبکہ جمہوریت ایک غیر اسلامی نظریہ ہے۔ اس سلسلے میں جناب سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ سے ۱۹۶۸ء میں ایک سوال پوچھا گیا تھا۔ سوال یہ تھا:

"اسلامی مفکرین نے موجودہ صدی میں... متعدد مغربی اصطلاحیں استعمال کی ہیں مثلاً ڈیموکریسی، نیشنلزم، وطنیت، پارلیمنٹ، دستور، سوشلزم وغیرہ... بعض اسلامی مفکرین ان اصطلاحوں کے استعمال سے گریز کرتے ہیں... کیا آپ اپنے تجربات کی روشنی میں بتا سکتے ہیں کہ آئندہ... ایسے اسلامی مفکرین پیدا ہوں گے جو ہر اس چیز کو کلیتاً رد کر دیں گے جو قرآن و سنت سے خارج ہو گی۔" (تصریحات)

مولانا مودودیؒ نے اس سوال کے جواب میں کہا:

"موجودہ زمانے کے لوگوں کو (اپنی) بات سمجھانے کے لیے جدید اصطلاحات کا استعمال تو ناگزیر ہے، لیکن ان کے استعمال میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ بعض اصطلاحوں سے پرہیز اولیٰ ہے، بلکہ اجتناب واجب ہے مثلاً "اشتراکیت"۔ بعض کا استعمال اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اُن کے اسلامی مفہوم اور مغربی مفہوم کا فرق پوری طرح واضح کر دیا جائے مثلاً جمہوریت یا دستوریت یا پارلیمنٹری سسٹم۔ بعض (اصطلاحات) کو سرے سے کوئی اسلامی مفہوم دیا ہی نہیں جا سکتا مثلاً "نیشنلزم۔" (ایضاً)

:ایک سال بعد ۱۹۶۹ء میں مولانا مودودیؒ سے اسی موضوع سے متعلق ایک اور مجلس میں سوال پوچھا گیا جو یہ تھا

مولانا! جب اسلامی جمہوریت کی اصطلاح بولی جاتی ہے تو اسے درست قرار دیا جاتا ہے۔ کیا اس طرح اسلامی سوشلزم "
(کی اصطلاح بھی درست نہیں ہو سکتی؟" (۵-اے ذیلدار پارک

:جناب سید مودودیؒ نے اس سوال کے جواب میں کہا

جمہوریت سے مراد وہ سیاسی نظام ہے جس میں حکومت عوام کی مرضی سے بنے، عوام کی مرضی سے قائم رہے اور "
عوام کی مرضی سے تبدیل ہو سکے۔ اب جمہوریت کا ایک مغربی تصور ہے اور دوسرا اسلامی تصور ہے۔

مغربی تصور یہ ہے کہ اس میں اقتدارِ اعلیٰ کے مالک، عوام ہوتے ہیں۔ ہر قسم کی قانون سازی میں آخری فیصلہ کن حیثیت
عوام کی مرضی کو حاصل ہوتی ہے۔ عوام کی اکثریت حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر سکتی ہے۔

اس کے برعکس اسلامی جمہوریت یہ ہے کہ حکومت تو اس میں بھی عوام کی مرضی سے بنتی ہے، عوام ہی کی مرضی سے
قائم رہتی ہے اور انہی کی مرضی سے تبدیل ہو سکتی ہے، لیکن فرق یہ ہے کہ جمہوریت کے اسلامی تصور کے مطابق، اقتدارِ اعلیٰ کا مالک
اللہ تعالیٰ ہے اور مسلمانوں کو قانون سازی کا اختیار صرف شریعتِ اسلامی کے مقرر کردہ حدود کے اندر رہے۔ ان حدود سے باہر جا کر وہ
کوئی قانون نہیں بنا سکتے۔ وہ سارے کے سارے مل کر بھی خدا کے کسی حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہیں کر سکتے۔ ان معنوں میں
مغرب کی مطلق العنان اور بے قید جمہوریت کے مقابلے میں یہ ایک حدود آشنا جمہوریت ہے اور اسی مناسبت سے اس کے لیے اسلامی
اقتدارِ اعلیٰ) کے مغربی تصور کو اقتدارِ اعلیٰ کے اسلامی (Sovereignty جمہوریت کی اصطلاح استعمال کرنا درست ہے۔ گویا اگر
تصور سے بدل دیا جائے تو تمام مفاسد کی جڑ کٹ جاتی ہے۔

اس کے برعکس اسلامی سوشلزم کی اصطلاح اس لیے غلط ہے کہ سوشلزم محض کسی سیاسی نظام کا نام نہیں ہے بلکہ سوشلزم ایک Ideology (نظریۂ زندگی) ہے اور اپنے ہمہ گیر سیاسی اور اجتماعی پروگرام کی وجہ سے ایک ایسے نظام کی حیثیت رکھتا ہے جس کا کوئی جزا اس کے کل سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ بحیثیت مجموعی یہ ایک علیحدہ مذہب ہے۔ اس کا تصورِ انسان اور تصورِ کائنات اسلام کے تصورِ انسان وکائنات سے یکسر مختلف اور متصادم ہے۔ اس کی تعبیرِ تاریخ سراسر مادّی ہے اور اس میں روحانیت اور مذہب کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس لحاظ سے اس کے ساتھ لفظ اسلامی کا اضافہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اسلامی عیسائیت یا اسلامی بودھ ازم وغیرہ کہہ کر انھیں مشرف بہ اسلام کرنے کی کوشش کرے۔" (ایضاً)

خلافتِ راشدہ کے بارے میں سید مودودیؒ نے لکھا ہے کہ اس میں روحِ جمہوریت پائی جاتی تھی۔ فرماتے ہیں:

"اس خلافت کی اہم ترین خصوصیات میں سے ایک یہ تھی کہ اس میں تنقید اور اظہارِ رائے کی پوری آزادی تھی اور خلفاء ہر وقت اپنی قوم کی دسترس میں تھے۔ وہ خود اپنے اہلِ شوریٰ کے درمیان بیٹھتے اور مباحث میں حصہ لیتے تھے۔ ان کی کوئی سرکاری پارٹی نہ تھی، نہ اُن کے خلاف کسی پارٹی کا کوئی وجود تھا۔ آزادانہ فضا میں ہر شریکِ مجلس اپنے ایمان و ضمیر کے مطابق رائے دیتا تھا۔ تمام معاملات اہلِ حل وعقد کے سامنے بے کم وکاست رکھ دیے جاتے اور کچھ چھُپا کر نہ رکھا جاتا۔ فیصلے دلیل کی بنیاد پر ہوتے تھے نہ کہ کسی کے رعب واثر، یا کسی کے مفاد کی پاسداری یا کسی جتھہ بندی کی بنیاد پر۔

پھر یہ خلفاء اپنی قوم کا سامنا صرف شوریٰ کے واسطے ہی سے نہ کرتے تھے، بلکہ ہر روز پانچ مرتبہ نمازِ باجماعت میں، ہر ہفتے جمعہ کے اجتماع میں، ہر سال عیدین اور حج کے اجتماعات میں اُن کو قوم سے اور قوم کو اُن سے سابقہ پیش آتا تھا۔ ان کے گھر عوام کے درمیان تھے اور کسی حاجب و دربان کے بغیر ان کے دروازے ہر شخص کے لیے کھلے ہوئے تھے۔ وہ بازاروں میں کسی محافظ دستے، کسی ہٹو بچو کے اہتمام کے بغیر، عوام کے درمیان چلتے پھرتے تھے۔ ان تمام مواقع پر ہر شخص کو انھیں ٹوکنے، ان پر تنقید کرنے اور ان سے محاسبہ کرنے کی کھلی آزادی تھی۔ اس آزادی کے استعمال کی وہ محض اجازت ہی نہ دیتے تھے، بلکہ اس کی ہمت افزائی کرتے تھے۔" (خلافت وملوکیت)

:ان تصریحات سے درجِ ذیل امور واضح ہوتے ہیں

اسلامی تحریک حاکمیتِ الٰہ کی علمبردار ہے اور دیگر تمام حاکمیتوں کو رد کرتی ہے جن میں حاکمیتِ جمہور بھی شامل -۱
ہے۔

اسلامی تحریک اس اصول کی تائید کرتی ہے کہ شریعتِ الٰہی کے نفاذ کے لیے جو حکومت تشکیل پائے اس میں عوام کو -۲
حکمرانوں پر تنقید اور ان کے احتساب کی پوری آزادی حاصل رہنی چاہیے۔

اس مزاج کی بناپر اسلامی تحریک ایک طرف تو جمہور کی حاکمیت کے بجائے اللہ کی حاکمیت کی طرف انسانوں کو دعوت دیتی ہے اور دوسری طرف وہ یہ بھی ضروری سمجھتی ہے کہ عوام کا حقِ تنقید واحتساب جس حد تک کسی ملک کے نظام میں موجود ہو، وہ باقی رہے اور اس میں اضمحلال نہ آنے پائے۔ حاکمیتِ جمہور کی تردید اور طرزِ حکمرانی کی اچھی قدروں کی (جنھیں آج کل جمہوری قدریں کہا جاتا ہے) تائید، میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ اسلامی حکومت میں حکمراں کون ہوں گے تو اس کا اصولی جواب ''امرہم شوریٰ بینہم'' کی ہدایت میں موجود ہے (یعنی مسلمان اپنے معاملات باہم مشورے سے چلاتے ہیں) اس اصول کے عملی انطباق کی تشریح کرتے :ہوئے سید مودودی لکھتے ہیں

'' آں حضرت ﷺ نے اپنی جانشینی کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا، لیکن مسلم معاشرے کے لوگوں نے خود یہ جان لیا کہ اسلام ایک شوروی خلافت کا تقاضا کرتا ہے۔ اس لیے وہاں نہ کسی خاندانی بادشاہی کی بناڈالی گئی، نہ کوئی شخص طاقت استعمال کر کے برسرِ اقتدار آیا، نہ کسی نے خلافت حاصل کرنے کے لیے خود کوئی دوڑ دھوپ یا برائے نام بھی اس کے لیے کوئی کوشش کی، بلکہ یکے بعد دیگرے چار اصحاب کو لوگ اپنی آزاد مرضی سے خلیفہ بناتے چلے گئے۔ اس خلافت کو امت نے خلافتِ راشدہ (راست رو (خلافت) قرار دیا ہے۔ اس سے خود بخود یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ مسلمانوں کی نگاہ میں خلافت کا صحیح طرز یہی ہے۔'' (ایضاً

خلافتِ راشدہ میں رائج اس طرزِ عمل کی روشنی میں اسلامی مزاج کیا تقاضا کرتا ہے اس کو سید مودودی نے اس طرح بیان کیا ہے:

"خلافت کے متعلق خلفائے راشدین اور اصحابِ رسول اللہ (ﷺ) کا متفق علیہ تصور یہ تھا کہ یہ ایک انتخابی منصب ہے جسے مسلمانوں کے باہمی مشورے اور ان کی آزادانہ رضامندی سے قائم ہونا چاہیے۔" (ایضاً)

درجِ بالا اسلامی مزاج کا تقاضا یہ ہے کہ حکمرانوں کے انتخاب کے سلسلے میں مشورے اور عوام کی آزادانہ رضامندی پر مبنی، معقول طریقے سے دنیا کو متعارف کرایا جائے۔ دنیا میں جو جمہوریت اس وقت رائج ہے، اس میں عوام کی آزادانہ رضامندی کے حصول کا تو کچھ اہتمام کیا جاتا ہے لیکن حکمرانوں کے انتخاب میں مشورے کا کوئی اہتمام نہیں ہوتا۔ مزید برآں باہم متصادم پارٹیوں کی موجودگی، پارٹیوں کا اصولوں کے بجائے مفادات کا علمبردار ہونا، امیدواری کا طریقہ اور امیدواروں کے لیے کنویسنگ، موجودہ جمہوریت کے ایسے عناصر ہیں جو عوام کو صالح فضا میں باہم مشورے کا موقع نہیں دیتے۔ مشورے کے بجائے طاقتور طبقات اور گروہ اپنے پسند کے افراد کو پروپیگنڈے اور وسائل کی طاقت کے ذریعے عوام پر مسلط کر دیتے ہیں۔ ان حالات میں عوام کی جو رائے حاصل کی جاتی ہے، وہ ان کی آزادانہ رضامندی کا مظہر نہیں کہی جا سکتی۔

اس پس منظر میں اسلامی تحریک کے نقطہ نظر کو اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے:

الف) بنیادی اصلاح جو مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ حاکمیتِ جمہور کے بجائے، حاکمیتِ الٰہ کو تسلیم کیا جائے۔

ب) اخلاقی حدود کے اندر عوام کو تنقید واحتساب کی آزادی حاصل ہونی چاہیے۔

ج) پارٹی سسٹم اور امیدواری پر مبنی موجودہ جمہوری طریقوں کے بجائے ایسے طریقے سوچے جانے چاہئیں جہاں)
حکمرانوں کے انتخاب کے سلسلے میں عوام کو آزادانہ مشورے کا موقع مل سکے۔

د) حکمراں بہر صورت وہی لوگ ہونے چاہئیں جنھیں عوام کی آزادانہ رضامندی سے حکمراں بنایا گیا ہو۔)

ہ) بادشاہی اور آمریت کے مقابلے میں دنیا میں جو جمہوری نظام موجود ہیں اُن کی اصولی اور عملی خرابیوں سے عوام کو آگاہ)
کرنا چاہیے۔ ان خرابیوں کے باوجود عوام کی آزادانہ رضامندی کے اصول کو یہ جمہوری نظام تسلیم کرتے ہیں۔ یہ معقولیت، جو اِن
نظاموں میں موجود ہے، تائید اور قدر دانی کی مستحق ہے۔

و) اگر کسی ملک میں یہ کوشش کی جارہی ہو کہ عوام کی آزادانہ رضامندی کے حصول پر مبنی جمہوری طرزِ انتخاب کو ختم)
کر دیا جائے یا اسے کمزور اور بے اثر بنادیا جائے، تو ایسی ناروا کوشش کی مزاحمت کی جانی چاہیے۔

ز) اگر تنقید و احتساب کی آزادی جیسی جمہوری قدروں اور فطری انسانی حقوق کو ختم کرنے یا مضمحل کرنے کی کوشش کی)
جارہی ہو تو ایسی منفی کوششوں کی بھی مزاحمت کی جانی چاہیے۔

اسلامی تحریک کا مندرجہ بالا نقطہٗ نظر حقیقت پسندی اور اعتدال پر مبنی ہے۔ جتنی کچھ صالحیت اور معقولیت موجودہ دنیا
کے طرزِ عمل میں موجود ہے اس کی قدر کی جانی چاہیے اور اسے باقی رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ افکار و
تصورات، نظریات و اقدار اور عملی طریقوں میں جس تبدیلی اور اصلاح کی ضرورت ہے اس کی مسلسل نشاندہی کرتے رہنا بھی
ضروری ہے۔

ڈاکٹر محمد رفعت